ڈاکٹر محمد فاروق خان

# امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل

[۲]

## وسطی ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستیں

روس میں کمیونزم کے خاتمے سے وسطی ایشیا میں پانچ آزاد مسلم ریاستوں نے جنم لیا۔ کمیونزم کے خاتمے کے لیے اصل جدوجہد ان ریاستوں میں نہیں، بلکہ یورپی روس اور یورپی رشین فیڈریشن والی ریاستوں میں کی گئی۔ ان پانچ ممالک میں دراصل سابقہ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں ہی کو اقتدار منتقل ہوا۔ چنانچہ ان ریاستوں کے اسلام سے محبت کرنے والے عناصر کو اس حقیقت کا تجزیہ کرنا چاہیے تھا کہ یہاں آرمی، انٹیلی جنس، ریاستی طاقت اور باقی تمام ادارے ابھی تک سابقہ قوتوں کے پاس ہیں۔ جب وہ اس حقیقت تک پہنچتے تو یہ بات بھی ان پر کھل جاتی کہ ستر سالہ روسی اقتدار کی وجہ سے عوام دین کی حقیقی تعلیمات سے بہت دور جا چکے ہیں۔ اس لیے پہلی ضرورت اور اصل اہمیت سیاسی جدوجہد کی نہیں، بلکہ معاشرے میں دین کی تعلیمات کو عام کرنے کی ہے۔ حالات اس حد تک تو یقیناً سازگار ہو چکے تھے کہ دین کی ترویج کے لیے کتابیں لکھی جاتیں، ادارے بنائے جاتے، مساجد کی حالت بہتر بنائی جاتی، لیکن سیاسی جدوجہد کے لیے قطعاً سازگار نہیں تھے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں پر ہر جگہ عجلت پسندی کا جو غلبہ ہے، اس کے پیش نظر وہاں نہ صرف یہ کہ قبل از وقت سیاسی کام شروع کر دیا گیا، بلکہ جا بجا مسلح گروپ بھی قائم ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دستیاب حالات سے جو فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا، وہ بھی نہ اٹھایا جا سکا۔

اس وقت وہاں کی تمام تنظیموں کے لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ عوام کی اسلامی تعلیمات پر پوری توجہ مرکوز کریں۔ بالکل پرامن رہیں۔ حکومتوں سے بات چیت جاری رکھیں اور جب تک سیاسی فضا انتخابات میں حصہ لینے کے لیے سازگار نہ ہو۔ تب تک براہ راست مقابلہ نہ کریں۔ اس کے بجائے وہ جمہوری قوتوں کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالیں۔ جب سیاسی کلچر ایک



www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خاص سطح تک پہنچ جائے گا تب ان کے لیے دوسرے راستے بھی کھل جائیں گے۔

## چیچنیا

چیچنیا کے علاقے میں دس لاکھ مسلمان بستے ہیں۔ پچھلی دو جنگوں کے بعد تعداد تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ رہ گئی ہے۔ ان لوگوں میں اسلام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد یہ علاقہ رشین فیڈریشن کا حصہ رہا۔ اس علاقے کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ تقریباً چاروں طرف سے روس میں گھرا ہوا ہے۔ اس کی سرحد کا ایک چھوٹا حصہ جارجیا سے بھی ملتا ہے، مگر وہ بھی روس کے زیر اثر اور اس کے ساتھ معاہدات میں بندھا ہوا ملک ہے۔ آزادی کے راستے میں اس سے بڑی رکاوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتی، بلکہ دنیا کے نقشے پر ایسا کوئی آزاد ملک کبھی موجود ہی نہیں رہا جو چاروں طرف سے ایک بہت بڑے ملک میں گھرا ہوا ہو۔

چنانچہ چیچنیا کے لیے یہ عملی مطالبہ زیادہ مناسب تھا کہ اسے رشین فیڈریشن کے اندر رہتے ہوئے مکمل اندرونی خودمختاری دی جائے۔ اس مطالبے کا ماننا روس کے لیے ممکن تھا۔ اس طرح اہل چیچنیا اپنے ہاں ایک مکمل مسلمان معاشرہ قائم کر سکتے تھے۔ اس کا ایک اور فائدہ یہ ہوتا کہ روس کے اندر دوسرے خودمختار مسلمان علاقوں کے لیے بھی ایک راستہ کھلتا۔ واضح رہے کہ روس کے اندر کئی ایسے علاقے موجود ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اگر یہ مطالبہ خالصتاً عدم تشدد کے ذریعے سے آئینی و قانونی راستے سے اور مختلف بین الاقوامی فورمز پر مسلسل کیا جاتا تو توقع یہ تھی کہ نہ صرف چیچنیا، بلکہ رفتہ رفتہ دوسرے مسلمان علاقے بھی اندرونی طور پر خودمختار بن جاتے اور روسی احساس برتری اور اشتعال کو ابھارے بغیر پرامن طریقے سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا۔ اس کے بعد کسی ایسے مناسب مرحلے پر جب گردوپیش کے اور بین الاقوامی حالات سازگار ہوتے تو مکمل آزادی کا مطالبہ بھی کیا جا سکتا تھا۔

تاہم ایسا نہ ہوا۔ اہل چیچنیا نے صرف اپنی آزادی کے بارے میں سوچا اور باقی روسی مسلمانوں کے مفادات کو پس پشت ڈال کر آزادی کا اعلان کر دیا۔ ان کی آزادی کے اعلان پر دینی اعتبار سے کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ پوری قوم جوہر داؤد کی قیادت پر متفق تھی۔ اعلان آزادی بہت پرامن طریقہ سے ہوا۔ اور پورے ملک پر عملاً قبضہ تھا۔ اس وقت روس کی اپنی حالت دگرگوں تھی۔ اس لیے روس کا فوجی ایکشن نیم دلانہ تھا، جس کی وجہ سے وہ ناکام ہوا۔

تاہم چیچنیا کی آزادی میں بنیادی کمزوری تو مضمر تھی۔ روسی اجازت کے بغیر وہ کسی سے رابطہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں کوئی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی۔ باہر سے کسی کو چیچنیا جانے کے لیے لازماً روس سے اجازت لینا پڑتی۔ گویا یہ ریاست عملاً روسیوں کے رحم و کرم پر تھی اور اس کی وجہ سے روس کے اندر باقی مسلمانوں پر زندگی تنگ ہو گئی۔

جب کوئی قوم جذباتی فیصلے کرنے پر اتر آتی ہے تو اس سے بھیانک غلطیاں سرزد ہونے کا بڑا امکان ہوتا ہے۔ چیچنیا نے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قریبی ریاست داغستان پر حملہ کر دیا اور وہاں کے پانچ دیہاتوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ حملہ دینی تعلیمات اور حکمت کے بالکل خلاف تھا۔ چنانچہ روس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ لوگ ہماری ریاست کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ اس وقت روس کی حالت بہت سنبھل چکی تھی۔ اسے اندرونی و بیرونی طور پر کوئی بڑا چیلنج درپیش نہ تھا۔ اس کی افواج کی تعداد چیچنیا کی کل آبادی سے تین گنا زیادہ تھی۔ چنانچہ روس نے حملہ کر کے چیچنیا پر قبضہ کر لیا۔ گروزنی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور اس لڑائی میں تقریباً اسی ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس لڑائی کا ایک اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ اس دفعہ پوری روسی قوم اپنی حکومت کی پشت پر تھی۔ اس لیے کہ سب روسی اہل چیچنیا کو جارح سمجھتے تھے۔

اس پورے معرکے میں اہل چیچنیا نے بے مثال بہادری، عزم اور ہمت کا مظاہرہ کیا۔ روس نے جو مظالم ڈھائے، اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ تاہم اس پورے معرکے میں اسلام اور حکمت کے اعتبار سے بڑی کوتاہی رہی۔ مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور روس کے باقی مسلمانوں پر عرصۂ حیات مزید تنگ ہو گیا۔ اگر اس پورے معاملے میں دین و حکمت سے روشنی حاصل کی جاتی تو یقیناً صورت حال مختلف ہوتی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

## بلقان ریاستوں کا معاملہ

### بوسنیا

۱۹۸۰ء میں مارشل ٹیٹو کی وفات کے بعد یوگوسلاویہ میں زوال کے آثار نمایاں ہوئے۔ رفتہ رفتہ تمام ریاستوں میں اختلافات شروع ہو گئے اور یوگوسلاویہ سے سلووینیا اور کروشیا نامی ریاستوں نے آزادی حاصل کی۔ اس کے پیش نظر بوسنیا کی ریاست نے اپنی پارلیمنٹ میں آزادی کا بل پیش کیا۔ جسے پارلیمنٹ نے بھاری اکثریت سے منظور کر کے عالی جاہ عزت بیگووچ کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔ فروری ۱۹۹۲ میں ریفرنڈم ہوا جس میں ننانوے فی صد عوام نے آزادی کے حق میں ووٹ دیا۔ مارچ ۱۹۹۲ میں بوسنیا نے آزادی کا اعلان کیا۔ اپریل میں یورپی برادری اور اقوام متحدہ نے اسے اپنا رکن بنا لیا۔

اس کے بعد بوسنیا کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جانے شروع ہوئے۔ مگر اس پورے عرصے میں پوری قوم اپنے صدر کے جھنڈے تلے متحد رہی۔ کسی بھی ظلم کے ردعمل میں بوسنیا کی قوم یا اس کی فوج نے کوئی ظلم نہیں کیا، حالانکہ وہ چاہتے تو کئی جگہ سربوں کو قتل کر سکتے تھے، مگر انھوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو دفاع تک محدود کیے رکھا۔ ہر موقع پر انھوں نے دنیا کو سربوں کے ظلم و ستم اور اپنے صبر سے باخبر کیے رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری دنیا (بشمول غیر مسلم اقوام) کی ہمدردیاں بوسنیا کے ساتھ ہو گئیں۔ اسی وجہ سے امریکی ثالثی کے ذریعے سے بالآخر ڈیٹین امن سمجھوتا طے پایا جس کے نتیجہ میں بوسنیا کے مسلمانوں کو امن نصیب ہوا۔

یہ پوری جدوجہد اسلامی احکام کے عین مطابق تھی۔دشمن کے ظلم کے مقابلے میں اہل بوسنیا نے مظلومانہ جدوجہد کی۔ پہلے دن ہی سے آئینی وقانونی راستہ اختیار کیا اوراس کا نتیجہ اب دنیا کے سامنے ہے۔

## کوسوو

کوسوو میں بھی مسلمان اکثریت میں ہیں اور متحد ہیں ۔ وہاں جدوجہد میں انھوں نے اعلیٰ ترین اسلامی اقدار کا خیال رکھا۔مخالفین کے خلاف ردعمل میں کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی تھی۔ اس کا پھل انھیں اس صورت میں ملا کہ اقوام متحدہ اورمغربی دنیاان کی طرف دار رہے اوران کو بچانے کے لیے مغرب نے بلغراد پر ویسی ہی بم باری کی جیسی اس نے کویت کے معاملے میں بغداد پر کی تھی۔کوسوو کی مسلم ریاست آزادی کی طرف بتدریج بڑھ رہی ہے۔اگر وہاں کے مسلمان اس طرح متحد رہے اورانھوں نے مسلسل حکمت سے کام لیا تو جلد ہی وہ مکمل آزادی کی منزل پائیں گے۔

کوسوو کے برعکس مقدونیہ میں مسلمان اقلیت میں ہیں ۔ وہاں انھوں نے مسلح جدوجہد شروع کر لی ہے۔ یہ صحیح طرزعمل نہیں ہے۔اس سے الٹا بوسنیا، کوسوواور البانیہ کی آزادی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ان کے لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ ایک پارٹی کی شکل میں منظّم ومتحد ہو جائیں اوراپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی مدد سے سیاسی مذاکرات شروع کر دیں۔اگر انھوں نے ایسا کیا تو ڈیٹین امن سمجھوتا کی طرح مقدونیہ کے لیے بھی سمجھوتا ہو جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

## مسلمانوں کے معاملات میں اقوام متحدہ کا کردار

تمام مسلمان ممالک رضا کارانہ طور پر اقوام متحدہ کے رکن بنے ہیں۔اس وقت کوئی ملک اقوام متحدہ کی رکنیت چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک دل سے یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ کا وجود ان کے لیے بلحاظ مجموعی فائدہ مند ہے۔ افغانستان جیسا ملک بھی اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے انتہائی کوشش کر رہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے رکن ملک کو عالمی برادری میں ایک خاص مقام مل جاتا ہے۔اس کے کچھ حقوق تسلیم کر لیے جاتے ہیں۔اس کی سرحدیں محفوظ ہو جاتی ہیں اوراس کو اپنے مسائل کے حل کے لیے ایک پلیٹ فارم میسر آ جاتا ہے۔

مسلمانوں کو اقوام متحدہ سے بہت شکایتیں ہیں ۔ان میں کئی شکایتیں جائز ہیں۔تاہم اکثر شکایتیں مسلمانوں کی اپنی اندرونی کمزوریوں ، اقوام متحدہ کے حدود کا صحیح تعین نہ کرنے ، عالمی امور میں طاقت ورممالک کے رویوں کو نہ سمجھنے یا کسی معاملے میں یک طرفہ تصور سامنے رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔مثلاً اگر ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کی فوجوں نے اپنے سے دس گنا بڑی افواج اور تین ممالک کو بیک وقت شکست دے دی تو اس کی ذمہ داری ان ملکوں کی اپنی کمزوریوں پر عائد ہوتی ہے۔

اس وقت پانچ ملکوں کو اقوام متحدہ میں مستقل ویٹو حاصل ہے۔ اگر آج کوئی مسلمان ملک ٹیکنالوجی اور طاقت میں مفتوح ممالک کے ہم پلہ بن جائے تو شاید اسے سلامتی کونسل کا رکن بننے میں زیادہ عرصہ نہ لگے۔ اقوام متحدہ صرف ان معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے جہاں سلامتی کونسل کے تمام رکن ممالک اور اقوام عالم کا تقریباً پورا اتفاق اسے حاصل ہو۔ جیسا کہ عراق اور یوگوسلاویہ کے معاملے میں ہوا۔ جن معاملات پر سلامتی کونسل میں سنجیدہ اختلاف رائے ہو یا دو بڑے ممالک میں جھگڑا ہو اور ممالک عالم میں عمومی اتفاق رائے نہ ہو، وہاں عقل عام سے یہ واضح ہے کہ اقوام متحدہ گفت وشنید سے زیادہ کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی۔ اس سے بڑھ کر اس کے لیے ممکن ہی نہیں۔

چنانچہ اگر تمام حالات کا غیر جانب دارانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کا وجود مسلمانوں کے لیے بلحاظ مجموعی مثبت ہے۔ بیشتر مسلمان ملک اس دور میں آزاد ہوئے۔ ان کے تنازعات میں اقوام متحدہ نے مثبت کردار ادا کیا۔ بوسنیا اور کوسووو کی آزادی اقوام متحدہ ہی کی مرہون منت ہے۔ آج اگر اقوام متحدہ کے اصولوں کے بجائے ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا اصول پوری طرح کارفرما ہوتا تو مسلمانوں کی حالت اس سے کہیں زیادہ بری ہوتی۔

## مسلمان ممالک کی اپنی کمزوریاں

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے آج کے مسائل میں نوے فی صد حصہ خود ان کا اپنا ہے، لیکن بدقسمتی سے ہم تاریخ کے ایسے یک طرفہ مطالعے کے عادی ہو چکے ہیں، جس کی وجہ سے ہم اپنی غلطیوں کی طرف اور کمزوریوں کی طرف توجہ کرنے کے بجائے دوسروں کو مطعون کرتے رہتے ہیں۔ اس تحریر کا مقصد تاریخی تجزیہ نہیں ہے، بلکہ محض بطور نمونہ چند اشارات پیش کرنا مقصود ہے۔ اگر افغانستان پہلے دن ہی سے پاکستان کی مخالفت پر کمر بستہ نہ ہوتا (واضح رہے کہ افغانستان وہ واحد ملک تھا جس نے ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کے خلاف ووٹ دیا) اور اس مخالفت میں اپنے ہاں کے اشتراکی عناصر کی مسلسل آب یاری نہ کرتا تو افغانستان کا سانحہ وجود میں نہ آتا۔

اگر عراق، ایران پر حملہ آور نہ ہوتا تو دونوں طرف سے اربوں ڈالر کا نقصان اور دس لاکھ مسلمان قتل نہ ہوتے۔ اور اگر ایران خرم شہر پر دوبارہ قبضہ کے بعد یک طرفہ طور پر لڑائی روک دیتا اور عراق کے اندر نہ گھستا تو دو لاکھ مزید افراد کے قتل سے بچا جا سکتا تھا۔ اسی طرح اگر عراق کویت پر حملہ آور نہ ہوتا تو مزید اربوں ڈالر کے نقصان اور ہزاروں اموات سے بچا جا سکتا تھا۔ اسی لڑائی کی وجہ سے آج امریکی افواج سعودی عرب اور کویت میں موجود ہیں۔

پس جس معاملے کا بھی گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ہی غلطیوں سے دوسروں نے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ کیا آج سے ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہم ماضی کی غلطیوں کا اعادہ نہیں کریں گے۔ اور مستقبل میں حکمت ودانش سے کام لیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

## سعودی عرب میں امریکی افواج کی موجودگی

کویت پر عراق کا قبضہ ایک ننگی جارحیت تھی۔ اس سے خلیجی ریاستوں اور سعودی عرب کو جو خطرات لاحق ہوئے، وہ واضح تھے۔ اس وقت مسلمان ممالک میں صرف پاکستان ہی اس قابل تھا کہ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے سعودی عرب کی مدد کر سکے اور اگر اس وقت پاکستان کے ساتھ ساتھ ترکی، ایران اور انڈونیشا پوری طرح سعودی عرب کے ساتھ کھڑے ہو جاتے تو سعودی عرب اپنی حفاظت کے لیے انھی ممالک پر بھروسا کرتا۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ سعودی عرب نے سب سے پہلے انھی ممالک سے تعاون کے لیے کہا، لیکن بدقسمتی سے اس وقت پورا عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان ایک دوسری ہی کیفیت میں تھا۔ اس وقت کے پاکستانی مسلح افواج کے کمانڈر نے برسر عام عراق کی حمایت کی۔ ایسے وقت میں سعودی عرب کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنی حفاظت کے لیے مغرب کو پکارتا، چنانچہ مغرب نے اس کی پکار پر لبیک کہا۔ اپنی افواج سعودی عرب میں اتاریں۔ کویت کو آزاد کرایا۔ عراق بچشم سر دیکھتا رہا کہ اس کے پاس اقوام متحدہ کی فوج کے پاسنگ کے برابر بھی طاقت نہیں۔ اس کے باوجود اس نے آٹھ مہینے کی مسلسل وارننگ سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ اس کا فوری اور طویل المیعاد نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

اب یہ بات واضح ہے کہ امریکہ کو اپنی قلیل المیعاد اور طویل المیعاد دونوں قیمتیں وصول کرنی تھیں۔ چنانچہ اس نے یہ دونوں قیمتیں وصول کیں۔ اور اپنی بھرپور حکمت عملی سے ابھی تک وصول کر رہا ہے۔ یہاں یہ اعتراض کرنا بے محل ہے کہ امریکا نے خود عراق کو کویت پر حملہ کی شہ دی تھی یا یہ کہ امریکا نے صدام حسین کو جان بوجھ کر زندہ چھوڑ دیا۔ کیا خدا نے ہمیں یہ عقل نہیں دی کہ ہم اپنے مہلک اقدام کے نتائج و عواقب کا اندازہ لگا سکیں؟ کیا ایران، عراق جنگ سے بھی عراق نے کوئی سبق نہیں سیکھا؟ کیا میلا سووچ کو بلغاریہ کے عوام نے تخت سے اتارا یا اسے امریکا نے مارا؟

اس وقت امریکی افواج سعودی سرزمین پر مقیم ہیں۔ ان کو ایک تدبیر کے تحت دعوت دی گئی تھی۔ اور اب انھیں ایک تدبیر کے تحت ہی واپس بھیجا جا سکتا ہے۔ صدام کا خطرہ اس وقت بھی پوری طرح موجود ہے۔ چنانچہ ایسے حالات میں یہ مطالبہ کرنا کہ امریکی افواج فوری طور پر سعودی ریاست چھوڑ جائیں، غیر حقیقی ہے۔ ان کو یقیناً جانا چاہیے، مگر ایسا صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب سعودی عرب کی افواج خود اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ یا پھر پاکستان جیسا کوئی ملک سعودی عرب کی فوجی ضروریات خود سعودی عرب کی اپنی مصلحتوں کے مطابق پوری کرنے پر آمادہ ہو۔ موجودہ حالات میں ان دنوں باتوں کا حصول ایک طویل المیعاد پالیسی ہی کے طور پر ہی ہو سکتا ہے۔

## فلسطین

اسرائیل کے وجود پزیر ہونے میں برطانیہ کے ساتھ ساتھ عثمانی سلطنت کی غلط پالیسیوں اور اس وقت کی خود مختار و نیم

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خودمختار عرب ریاستوں کا بھی حصہ ہے۔ اسی طرح اسرائیل کے قائم رہنے میں جہاں ایک بڑا کردار امریکا کا ہے، وہاں اردگرد کی عرب ریاستیں بھی اس سے بری الذمہ نہیں ہیں۔ تاہم اس مسئلے کا تاریخی تجزیہ اس تحریر کے دائرے سے باہر ہے۔ اس کے بجائے اس تحریر کا اصل مقصد، اس مسئلے کا موجودہ صورت حال کے حوالے سے افقی جائزہ لینا ہے۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں نے ایک دوسرے کو حقیقت کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ ایک آزاد فلسطینی ریاست کا قیام عمل میں آنا چاہیے۔ اس ریاست کی پچانوے فی صد حدود پر بھی اتفاق ہے۔ اصل تنازع یہ ہے کہ 'قبۃ الصخرا' دیوار گریہ اور مسجد اقصیٰ کس کی تحویل میں ہو۔ یہاں ضروری ہے کہ ان اصطلاحات کی وضاحت کی جائے اس لیے کہ فلسطین سے باہر مسلمانوں کی اکثریت ان سے بے خبر ہے۔

بیت المقدس: اس خطے کے مرکزی شہر کا نام یروشلم ہے۔ بیت المقدس کی اصطلاح سے کبھی تو سارا یروشلم شہر مراد لیا جاتا ہے اور کبھی اس سے مسجد اقصیٰ مراد لی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس سے مراد قبۃ الصخرا ہے۔

قبۃ الصخرا: قبۃ الصخرا اس گنبد کا نام ہے جو ایک چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے۔ (اسی گنبد کی تصویر ہمیشہ اخبارات و رسائل کی زینت بنتی ہے۔ اور اس کو غلطی سے مسجد اقصیٰ سمجھا جاتا ہے)۔ اس جگہ کے متعلق مختلف تاریخی روایات مشہور ہیں، مگر ان کی کوئی مستند حیثیت نہیں۔ اسی لیے خلفاے راشدین کے دور میں اس چٹان کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ بہت بعد میں اموی حکمران عبدالملک نے اس چٹان پر ایک گنبد تعمیر کیا۔

مسجد اقصیٰ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب یہ سارا علاقہ فتح ہوا تو اس جگہ پر انھوں نے یہ مسجد تعمیر کی۔ مذہبی اور علامتی طور پر یہی مسجد مسلمانوں کے لیے انتہائی مقدس ہے۔

دیوار گریہ: قبۃ الصخرا کی ایک دیوار کو دیوار گریہ (Wailing wall) کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کے نزدیک یہ ان کا مقدس ترین مقام ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ ہیکل سلیمانی کی باقیات میں سے ہے۔

درج بالا وضاحت سے یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا مقدس مقام مسجد اقصیٰ ہے۔ یہودیوں کا مقدس مقام دیوار گریہ ہے جبکہ قبۃ الصخرا کی تاریخی اہمیت دونوں کے ہاں موجود ہے۔

ہر منصف المزاج انسان اس سے اتفاق کرے گا کہ ہر مذہب کا مقدس مقام اسی کے پیروکاروں کی تحویل میں ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس مسئلے کا منصفانہ حل یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ، فلسطینی ریاست کے انتظام میں ہو۔ دیوار گریہ اسرائیل کے پاس ہو اور قبۃ الصخرا دونوں کی مشترکہ کمان کے تحت ہو۔

فلسطینی ریاست کے ضمن میں دوسرا مسئلہ ان فلسطینی مہاجرین کا ہے، جنھیں وقتاً فوقتاً اسرائیلی حکومت نے جلاوطن کر دیا تھا۔ یہ ان کا اخلاقی و قانونی حق ہے کہ انھیں ان کی زمینیں اور مکانات واپس کیے جائیں۔ تاہم موجودہ صورت حال میں یہ حق منوانا عملاً ناممکن ہے۔ مہاجرین کے معاملے میں یہ ایک تاریخی بدقسمتی رہی ہے کہ ان کے لیے دوبارہ اپنے وطن میں آبادکاری


www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ناممکن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نسبتۃً عملی حل یہ ہے کہ تمام فلسطینی مہاجرین کے لیے فلسطینی ریاست میں ہی آبادکاری کا انتظام کیا جائے اور اس کے تمام اخراجات امریکا اٹھائے۔

درج بالا خطوط پر کوئی حل صرف پرامن طریقہ سے ہی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ اس لیے دونوں فریقوں کی طرف سے مکالمے پر مبنی غیر متشددانہ رویہ اختیار کرنا ہی دونوں کے مفاد میں ہے۔

## عراق

عراقی حکومت خود اپنے ہاتھوں گوناگوں مشکلات میں پھنس چکی ہے۔ پہلے اس نے ایران پر حملہ کیا۔ اس بے نتیجہ جنگ نے دونوں طرف سے دس لاکھ افراد کی زندگیاں لے لیں اور دونوں طرف کی ساری معیشت بھی اس کی نذر ہو گئی۔ پھر اس نے کویت پر حملہ کیا اور اس حملے کا نتیجہ وہ اب تک بھگت رہا ہے۔ اب اس صورت حال سے نکلنے کا اس کے پاس واحد راستہ یہ ہے کہ عراق اقوام متحدہ کی تمام قراردادوں کو پوری طرح تسلیم کر لے۔ پچھلی دونوں جنگوں پر معذرت کا اظہار کرے اور آیندہ کے لیے واضح الفاظ میں ہر قسم کی جارحیت سے احتراز کرنے کا اعلان کرے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

## سوڈان

سوڈان کے سربراہ جنرل عمر البشیر اپنے ہاں ایک ایسے نظام کا تجربہ کر رہے ہیں جس میں سیاسی پارٹیاں نہ ہوں۔ اپنے سب سے قریبی شریک کار جناب حسن ترابی کو انھوں نے حکومت سے الگ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جنوب کے عیسائی اکثریت والے علاقے کی بغاوت کو کچلنے میں بھی مصروف ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمان حکمرانوں میں سابقہ تجربات سے سیکھنے کا کوئی داعیہ نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے رجحان یہ ہے کہ نت نئے تجربات کیے جائیں۔ جو سب کے سب چند سال بعد اپنے خالقوں سمیت ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سوڈان میں بھی مسلسل تجربات ہو رہے ہیں جن کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا۔

سوڈان کو موجودہ حالت سے نکالنے کے لیے یہ لازم ہے کہ وہاں جمہوریت بحال کی جائے اور جمہوری حکومت باغیوں سے گفتگو کے ذریعے سے کسی قابل عمل سمجھوتے تک پہنچے۔

## الجزائر

الجزائر پچھلے کئی سال سے خانہ جنگی کی زد میں ہے۔ یہ خانہ جنگی درحقیقت فوج کی طرف سے اسلامک سالویشن فرنٹ کو اقتدار منتقل کرنے سے انکار کے بعد شروع ہوئی۔ اس حوالے سے چار پہلو اہم ہیں۔

پہلا یہ کہ الجزائر میں ایک طویل عرصے سے آمریت تھی اور فوج پوری طرح اس کی پشت پر تھی۔ دوسرا یہ کہ آئی ایس ایف بھی جمہوریت کا سخت مخالف تھا۔ اسے جمہوریت سے صرف اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ اس کے ذریعے سے برسر اقتدار آنا چاہتا تھا۔ اس نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ برسر اقتدار آنے کے بعد وہ جمہوریت کا بوریا بستر گول کر دے گا۔ گویا اس کا مقصد تھا

''جمہوریت صرف ایک مرتبہ، اس کے بعد پھر آمریت'' ظاہر ہے جمہوریت ہی کے ذریعے سے جمہوریت کی بیخ کنی کو کس طرح گوارا کیا جا سکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ آئی ایس ایف کو پارلیمینٹ کی نشستیں بڑی تعداد میں ملی تھیں، مگر اس کے حاصل کردہ ووٹ کل ڈالے گئے ووٹوں کا ایک تہائی تھے۔ اور چوتھا پہلو یہ ہے کہ فوج کی طرف سے مداخلت کے بعد آئی ایس ایف کے ایک بڑے دھڑے نے پرُامن جدوجہد جاری رکھنے کے بجائے مسلح کاروائیاں شروع کر دیں۔ جن کے نتیجے میں اب تک اسی ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔

چنانچہ الجزائر کے مسئلے کا حل یہ ہے کہ ایک طرف آئی ایس ایف مسلح جدوجہد ترک کر دے اور جمہوریت پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اظہار کرے۔ اس کے بعد حکومت عام معافی کا اعلان کر کے انتخابات کرائے اور اکثریتی پارٹی کو اس شرط کے ساتھ اقتدار منتقل کرے کہ وہ جمہوری کلچر کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرے گی۔

## آمریت بمقابلہ جمہوریت

اس وقت مسلمان ممالک عام طور پر آمریت، بادشاہت اور فوجی حکمرانوں کے شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جہاں کہیں انتخابات کی حد تک جمہوریت موجود ہے وہاں جمہوری کلچر موجود نہیں اور حکمران عموماً غیر جمہوری رویوں سے کام لیتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں کسی حد تک جمہوریت قائم ہے۔ ملائیشیا میں انتخابات کی حد تک جمہوریت ہے، مگر آزادی رائے، پریس اور عدلیہ کے ضمن میں جمہوری کلچر موجود نہیں۔ پاکستان میں جب بھی کسی حد تک جمہوریت کو آنے کی اجازت دی جاتی ہے تو حکمران اور اپوزیشن دونوں غیر جمہوری رویے کا اظہار کرتے ہیں۔ ایران میں انتخابات ہوتے ہیں، مگر عوامی حکومت سے بالاتر ایک مذہبی آمریت قائم ہے۔ جو ہر چیز کو ویٹو کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ ترکی میں فوج کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ انڈونیشیا ابھی نئے تجربوں سے گزر رہا ہے۔ تمام عرب ممالک میں آمریت ہے۔

اگر تمام عالم اسلام کو دنیا میں باوقار مقام حاصل کرنا ہے تو یہ لازم ہے کہ: امرھم شوریٰ بینھم کے تحت ہر جگہ جمہوری کلچر جڑ پکڑے اور باقاعدگی سے انتخابات ہوں۔ مسلمان خواص و عوام سب میں اس کا شعور بیدار کرنا ضروری ہے۔

## اُمت مسلمہ کے لیے موجودہ صورت حال میں نجات کا راستہ

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امت مسلمہ کو موجودہ کمزور حالت سے نکلنے کے لیے درج ذیل چار نکاتی منصوبے پر عمل درآمد کرنا ہو گا۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہر مسلمان ملک اپنے ہاں تعلیم کو فروغ دینے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے۔ سائنسی تعلیم، ٹیکنالوجی اور تحقیق کو سب سے زیادہ اہمیت دے اور قوم کے ذہین طبقے کو اس کی طرف راغب کرے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک ان دس بنیادی اقدار کو اپنے ہاں سوسائٹی میں پروان چڑھائیں۔ جن کا تذکرہ اس

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تحریر کے شروع میں کیا گیا ہے۔ اوراس کے علاوہ ان پانچ اسلامی اقدار کو بھی اپنے ہاں حکمت اور تدریج کے ساتھ فروغ دینے کی کوشش کریں جن کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ تمام بین الاقوامی مسائل اور مسلمان اقلیتوں کے مسائل کو ہر ممکن حد تک پُر امن طریقوں سے حل کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر جنگ کی نوبت آئے تو (بوسنیا کی طرح) اُس اعلیٰ ترین اخلاقی معیار پر اپنے آپ کو رکھا جائے جہاں دنیا کے تمام منصف المزاج باضمیر لوگ اور ملک اس جدوجہد کی حمایت پر مجبور ہو جائیں۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اس امت کا اصل کام دنیا میں اسلام کی دعوت پھیلانا ہے۔ یہ اُمت اصل میں داعی ہے اور ساری دنیا اس کی مدعو ہے۔ اگر اسلام کی دعوت اعتدال، حکمت، تدریج، محبت اور علمی سطح پر دی جائے تو یقیناً بہت سے غیر مسلموں کے دل اس کے لیے کھل جائیں گے۔ چنانچہ تمام مسلمان ممالک کو اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ ایسے ادارے وجود میں لائیں جو ملک کے اندر اور ملک کے باہر ساری انسانیت کو اسلام سے روشناس کرائیں۔ ان کے شکوک وشبہات کا علمی سطح پر جواب دیں۔ غیر مسلموں سے مکالمہ کریں۔ ان کو اسلام کو سمجھنے کے لیے تمام آسانیاں بہم پہنچائیں۔ اس مقصد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنی جگہ پر اعلیٰ اخلاق وکردار کی مثال ہو اور وہ اپنی زندگی کے اندر متذکرہ بالا ان تمام اقدار کو ذاتی سطح پر بھی جاں گزیں کرے جو اسلام کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com